بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمُ الْأَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ، نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْن

أَمَّا بَعْدُ:

04: فہم سلف کے منہج کے بعض اصول اور ضوابط کا بیان۔

فہم سلف کی شرعی حیثیت کے تعلق سے ہم بات کر رہے ہیں آج کی نشست میں پوائنٹ نمبر پانچ "منهج السلف في الفهم" یا فہم سلف کے منہج کے بعض اصول اور ضوابط کا بیان، فہم سلف کے منہج یا طریقہ کے بعض اصول و ضوابط کا بیان۔

جب ہم فہم سلف کی بات کرتے ہیں تو یہ بنیادی بات یاد رکھیں کہ فہم السلف، سلف میں سے کسی کی بھی اپنی مرضی یا اپنی خواہش نفس یا اپنی عقل کی بنیاد پر یہ فہم قائم نہیں ہے، یاد رکھیں بنیادی بات ہے۔ فہم السلف قرآن اور سنت سے مستنبط ہے، نہ کہ خواہش نفس یا عقل یا ذوق یا وجد یا کشف یا خواب یا کوئی بھی اور چیز اور جب قرآن و سنت سے مستنبط ہے تو اس کے خاص اصول و ضوابط ہیں اور سلف نے ان اصول اور ضوابط کا خاص اہتمام کیا ہے اور یہ اصول و ضوابط ان میں سے میں بعض کا ذکر کروں گا مثال کے طور پر حصر کے طور پر نہیں کہ بہت زیادہ قواعد ہیں، ہر علم کے تعلق سے جتنے بھی ابواب ہیں، ہر باب کے تعلق سے اصول اور ضوابط موجود ہیں اور یہ اصول و ضوابط اس لیے بیان کیے گئے ہیں تاکہ یہ علم محفوظ رہے اور کوئی بھی شخص اپنی من مانی کر کے اپنی مرضی سے دین کے اندر کوئی نئی بات ایجاد نہ کرے۔ بشر ہیں، غلطی ہو جاتی ہے، جس سے غلطی ہوتی ہے اس کی غلطی کی نشان دہی کی جاتی ہے کیوں کہ یہ سلف الصالحین میں سے ہے، اہل سنت والجماعت میں سے ہیں، سلفی عالم ہیں کیوں کہ مجتہد عالم ہیں تو ان کی یہ غلطی جو ہے وہ غلطی تصور کی جائے گی لیکن ایک اجر کے ساتھ جیسا کی آپ ﷺ نے فرمایا ہے۔ دوسروں کے لیے وہ غلطی ہو گی، اس غلطی کی پیروی نہیں کی جائے گی کیوں کہ وہ غلط ہے۔ کیسے پتہ چلا کہ وہ غلط ہے؟ کیوں کہ قرآن اور سنت سے یہ بات ٹکراتی ہے۔ تو کونسی بات کب ٹکراتی کونسی نہیں ٹکراتی ہے اس کے لیے فہم کی اشد ضرورت ہے اور یہ فہم قرآن اور سنت سے لی گئی

ہے اپنی مرضی یا خواہش نفس کی بنیاد پر نہیں ہے اور یہ بعض اصول و ضوابط یعنی مکمل قاعدے ہیں آیت میں سے یا حدیث میں سے ہیں اور یہ جو فہم ہے اس کے لیے جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ بات کرنے والے متکلم کی مراد، صحیح معنی تک پہنچنے کے لیے صحیح فہم کا ہونا ضروری ہے۔

اب دیکھیں کہ آپ اگر کچھ بات کرتے ہیں اور کوئی شخص یہ کہے کہ آپ نے یوں نہیں یوں کہا ہے تو آپ اسے کیا کہیں گے یہ کہیں گے کہ آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں یا کہیں گے کہ آپ غلط کہہ رہے ہیں میرا مقصد میری مراد یہ تھی ہی نہیں آپ کہاں سے بات کر رہے ہیں؟

جب ہم مسکین اور حقیر اور فقیر انسان اپنی بات جب ہم کرتے ہیں اور سننے والا صحیح مراد کو نہیں پالیتا تو ہم اس کو فوراً ٹوک دیتے ہیں، روک دیتے ہیں کہ یہ غلط ہے تو پھر ربّ ذوالجلال سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان اور آپ ﷺ کا کلام جو ہے وہ کس طریقے سے کوئی شخص کہے بغیر صحیح مراد پانے کے اور ہم خاموشی اختیار کریں اور سلف کیوں کہ تقویٰ اور ایمان کے اعتبار سے بعد میں آنے والوں میں سے زیادہ بہتر ہیں اور ممیزات جو ہیں، جو ان کی خاص صفات ہیں سلف الصالحین کی، وہ اگلے درس میں بیان کروں گا ان شاءاللہ۔ آج کے درس میں چند اصول و قواعد بیان کرتے ہیں لیکن کیوں کہ وہ ایمان و تقویٰ میں اور عمل میں اور قربانیوں میں بعد میں آنے والے لوگوں سے آگے ہیں اس لیے وہ کبھی بھی خاموشی اختیار نہیں کرتے، جب بھی کوئی شخص کوئی بھی ایسی بات کرے جو اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر ﷺ کی مراد کے مخالف ہو۔ کسی نے کوئی دلیل بیان کرنی ہے، کوئی مسئلہ بیان کرنا ہے، کوئی اس پر دلیل بیان کرتا ہے، وہ مسئلہ غلط ہے، دلیل غلط ہے، تحریف یا باطل تاویل کی گئی ہے تو سلف خاموشی اختیار نہیں کرتے۔ مثالیں آگے آئیں گی ان شاء اللہ۔ مثال بھی لے لیں آپ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ﴾(القدر/1)۔

دوسری آیت میں ﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ﴾(الحجر/9)۔

بعض کرسچنز نے اور دین اسلام کے جو دشمن ہیں وہ کہتے ہیں یہ دیکھیں کہ قرآن مجید میں Trinity کا ثبوت ہے۔ یعنی Trinity (تثلیث) کہ ایک اللہ تعالیٰ نہیں اللہ تعالیٰ تین ہیں۔ اللہ ہے، اس کا بیٹا ہے (نعوذ باللہ) اور روح القدس ہے تیسرا۔ کہاں پر ثبوت ہے؟ کہتے ہیں کہ یہ آیتیں جو ہیں ﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ

لَحٰفِظُوْنَ﴾،﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾۔﴿اِنَّا﴾ جمع کا صیغہ ہے تو جمع ہے آپ لوگ مانتے نہیں ہیں، ہٹ دھرمی سے آپ لوگ گزارا کرتے ہیں تو قرآن نے تائید کی ہے Trinity کی۔﴿اِنَّا﴾ جو ہے وہ ضمیر متکلم ہے جمع کے لیے۔

کیا یہ بات صحیح ہے؟ کیا یہی مراد ہے اللہ تعالیٰ کی جب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قرآن مجید میں ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ کیا یہی مراد ہے کہ ہم تین ہیں نعوذ باللہ؟ غلط کیوں ہے یہ معنی؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یہ مراد ہی نہیں ہے بلکہ یہ عقیدہ رکھنا کفر ہے ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ﴾(المائدۃ/73)۔

تو قرآن مجید میں اس بدعقیدگی کی وضاحت بھی کی گئی ہے اور اس عقیدے والے شخص کو کافر بھی کہا گیا ہے۔اور پھر عربی زبان کی طرف اگر ہم دیکھتے ہیں تو اِنَّا ضمیر متکلم کے لیے، جمع کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور اِنَّا عربی زبان میں بڑائی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے اردو میں ہم ''ہم'' کہتے ہیں کہ ہم نے یہ کیا ہے۔ایک شخص یہ کہتا ہے کہ ہم نے یہ کیا ہے، نوابوں والی زبان جو ہے تو عربی میں بھی یہ استعمال ہوتا ہے ''نحن'' یا ''اِنَّا، اِنَّنا'' تو یہاں سے یہ بات بالکل غلط استدلال ہے یا صحیح مراد کو نہیں پاسکے۔﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ﴾ ''نَحْنُ'' یہ بات ہے نَحْنُ کا ضمیر جو ہے وہ متکلم کے لیے ہے۔﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ تو یہاں ﴿نَحْنُ﴾ سے یہ مراد لینا کہ ایک سے زیادہ ہے یہ غلط ہے اس سے مراد تعظیم کے لیے ہے نہ کہ جمع کے لیے ہے۔

آیئے دیکھتے ہیں بعض اصول:

1۔سب سے پہلا اصل جو ہے نصوص کے سامنے قرآن اور سنت کے سامنے اپنا سر جھکا دینا ہے قرآن اور حدیث، صحیح حدیث کے سامنے سر جھکانا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾(الاحزاب/36)

(مومن مرد اور مومن عورتوں کے لیے یہ جائز نہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر کے کیے ہوئے فیصلے کو جب فیصلہ کریں تو ان کا کوئی بھی اس میں اپنا اختیار باقی رہے)

جب ''قَالَ اللّٰہُ تَعَالَی وَقَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ'' سامنے آجائے تو پھر فوراً اس کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ دوسری آیتیں جتنی بھی ہیں ﴿اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ﴾(النساء/59)۔ یہ دلیل ہے کہ فرماں برداری کرنا اللہ تعالیٰ کی اور اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی ﷺ کی اور فرماں برداری کے معنی ہیں کہ جو بھی آپ کو دیا جارہا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور آپ ﷺ کی طرف سے اپنا سر خم کر کے اسے تسلیم کرنا ہے۔ اسی طریقے سے:

﴿مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ﴾(النساء/80)

(جس نے آپ ﷺ کی فرماں برداری کی اطاعت کی گویا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی)

﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾(الحشر/7)

(جو کچھ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی ﷺ جو آپ کو دیں وہ لے لو جس چیز سے منع کریں اس سے رک جاؤ)

اور اسی طریقے سے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾(نور/63)

(آگاہ ہو جائیں وہ لوگ جو آپ ﷺ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں کہ وہ فتنے میں مبتلا نہ ہو جائیں یا انہیں عذاب الیم نہ پہنچے)

یہ پہلا اصول ہے۔

2۔ دوسرے نمبر پر قرآن اور سنت ہر چیز پر مقدم ہے، قرآن اور حدیث ہر چیز پر مقدم ہے اور یہ پہلے اصل کی عملی تطبیق ہے۔ جب تسلیم کر لیا ''قَالَ اللّٰہُ تَعَالَی وَقَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ'' یہ سب سے بلند ہے اور ان نصوص کے سامنے سر جھکانا ہے، اب اس پر عمل بھی کیا ہے یعنی صرف نام کے نہیں بلکہ کام کے سر جھکانے والے ہیں، عملاً۔ اس کی مثال دیکھیں آپ، چند مثالیں ہیں، نص یعنی قرآن اور حدیث جو ہے وہ عقل پر مقدم ہے۔ جب ہر چیز کہہ دی، اب چار، پانچ مثالیں لیتے ہیں۔

1۔ پہلی مثال ہے عقل۔ تو قرآن اور حدیث، نص جو ہے وہ عقل پر مقدم ہے۔ اس کی مثال دیکھیں، ابو داود حدیث نمبر 162 میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ''اگر دین رائے کی بنیاد پر ہوتا تو پھر موزے کو مسح کرنے کے لیے، موزے کے نیچے والی جگہ جو ہے وہ مسح کرنے کے لیے اوپر والی جگہ سے زیادہ بہتر ہوتی''۔

عقل کا کیا تقاضہ ہے؟جب ہم موزے پر مسح کرتے ہیں تو گندگی اوپر ہوتی ہے یا نیچے ہوتی ہے؟ مسح کہاں کرتے ہیں ہم؟اوپر کرتے ہیں۔ عقل کا کیا تقاضہ ہے؟نیچے ہو۔ نص کیا ہے؟اوپر ہے۔ تو نص مقدم ہے یا عقل مقدم ہے؟ نص مقدم ہے۔ دیکھیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب میں نے آپ ﷺ کو موزے کے اوپر مسح کرتے ہوئے دیکھا تو پھر میں نے بھی اس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔

جب تک علم نہیں تھا تو عقل کے مطابق یہی چیز ان کو ملی کہ اگر مسح کرنا ہو تو یوں کرنا چاہیے لیکن جب دیکھا کہ آپ ﷺ نیچے نہیں صرف اوپر مسح کر رہے ہیں تو پھر موزے کے اوپر مسح کیا۔ دوسری روایت میں آیا ہے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں یہ دیکھتا تھا یہ سمجھتا تھا کہ پاؤں کے نیچے والا حصہ جو ہے وہ زیادہ حق رکھتا ہے مسح کا، اوپر والے حصے سے (یعنی موزے کے تعلق سے، اوپر والے حصے سے) یہاں تک کہ میں نے آپ ﷺ کو مسح کرتے ہوئے دیکھا۔

2۔ دوسری دلیل صحیح بخاری حدیث نمبر 1608 میں۔ باب باندھا ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الحج میں باب باندھا ہے ''بَابُ مَنْ لَمْ يَسْتَلِمْ إِلَّا الرُّكْنَيْنِ الْيَمَانِيَيْنِ''۔

ایک مسئلہ ہے کہ طواف کے وقت کون سے رکن کو استلام کرنا ہے؟ تو امام صاحب فرماتے ہیں، یہ اس چیز کا بیان ہے کہ صرف ان لوگوں کا ذکر جو صرف دو ارکان کو استلام کرنا درست سمجھتے ہیں اور اس میں پھر یہ قصہ بیان کیا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ایک ساتھ طواف کر رہے تھے، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جو چاروں ارکان کعبہ تھے چاروں کو استلام کر رہے تھے یعنی ہاتھ لگا رہے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صرف دو رکن کو استلام کرنا چاہیے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے گھر میں سے کوئی چیز بھی مہجور نہیں ہے کوئی چیز بھی بے برکت نہیں ہے پورے اللہ کے گھر میں کعبہ میں پورے برکت ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جواب میں فرماتے ہیں ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب/21) (بے شک تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر ﷺ بہترین نمونہ ہیں)۔ مسند احمد کی روایت میں، اصل صحیح بخاری میں بھی ہے، مسند احمد کی روایت میں آیا ہے کہ ''فَقَالَ مُعَاوِيَةُ ،صَدَقْتَ'' سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (آپ نے سچ فرمایا ہے)۔

عقل کا تقاضہ کیا ہے؟ کہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے تو پورا بابرکت ہے۔ شریعت کیا کہتی ہے؟ نص کیا کہتا ہے؟ کہ جو آپ ﷺ نے کیا، ہم نے وہی کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر ﷺ نے صرف دو ارکان کا استلام کیا ہے۔ حجر اسود کو بوسہ بھی

دیا ہے، استلام بھی کیا ہے، ہاتھ بھی لگایا ہے اور رکن یمانی کو صرف ہاتھ لگایا ہے گویا کہ دونوں کو استلام کرنا جائز ہے، صرف دو رکن کعبہ کو، باقی جو دو ہیں جو شمال کی طرف ہیں کیوں کہ وہ کعبہ کا حصہ نہیں ہیں۔ پتہ ہے؟ استلام نہیں ہوا تھا کیوں کہ وہ جو اصل کعبہ تھا وہ حطیم کے حصے کے باہر تھا، جو اصل ارکان تھے وہ موجود نہیں ہیں کیوں کہ کعبہ کی تعمیر جو ابھی موجود ہے یہ ناقص ہے۔ جیسے کہ قریش نے یہ تعمیر کیا تھا بہر حال تو آپ ﷺ نے صرف دو ارکان کو استلام کیا تھا، ہمارے لیے سنت کیا ہے؟ صرف دو ارکان کو استلام کرنا ہے۔ چاروں کو استلام کرنا اگر جائز ہوتا تو سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کبھی ان کو منع نہ کرتے۔ اور ادب دیکھیں آپ، منع کرنے کا طریقہ دیکھیں کہ آگاہ فرمایا پھر دلیل بھی بیان کی ہے۔ دلیل کون سی ہے؟ کہ کعبہ کے صرف دو رکن کو ہاتھ لگائیں، اسوۂ حسنہ کی بات آئی ہے۔ اسوۂ حسنہ کہ اگر آپ ﷺ ہمارے لیے ہیں پھر تو ہمیں وہی کرنا چاہیے جو آپ ﷺ نے کیا ہے، جو نہیں کیا ہے، ہم کیوں کریں؟ سبحان اللہ یہاں پر بھی نص کو مقدم کیا ہے۔

2۔ نص کو لغت پر تقدیم کرنا، نص، لغت عربی زبان پر مقدم ہے۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، قرآن مجید کے تعلق سے: ﴿يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ﴾ (البقرۃ/121)

(تلات کرتے ہیں قرآن مجید کی جیسا کہ تلاوت کرنے کا حق ہے)

عام طور پر مجھے بتائیں تلاوت کا کیا معنی ہے؟ ''تحسين الصوت بالقراءة'' کہ قرآن مجید کو اچھی آواز میں قرأت کرنا، تلاوت کرنا اسے تلاوت کہتے ہیں۔ اب ﴿حَقَّ تِلَاوَتِهٖ﴾ کیا ہے؟ عام طور پر اگر لفظی معنی دیکھا جائے لغت کے اعتبار سے کہ قرآن مجید کی تلاوت ہی کرنی ہے اور بعض لوگ صرف اسی کو کافی سمجھتے ہیں۔ ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں تفسیر میں کہتے ہیں کہ سیدنا عکرمۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اس آیت کے تعلق سے ''قال، يتبعونه حق اتباعه'' (یہ صرف قرأت نہیں ہے اتباع کرنا جیسا کہ اتباع کرنے کا حق ہے)۔ اتباع کب ہوتی ہے؟ جب آپ پڑھتے بھی ہیں معنی بھی سمجھتے ہیں پھر عمل بھی کرتے ہیں۔ تو ﴿حَقَّ تِلَاوَتِهٖ﴾ سے مراد ہے حق الاتباع۔ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو نہیں سنا ﴿وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا﴾ (الشمس/2) (اور چاند جب سورج کے تابع ہو کر پیچھے آئے)۔ اتباع کرنا پیچھے چلنے کو کہتے ہیں نا اتباع۔

تو دیکھیں کہ قرآن مجید کی آیت کو آیت سے کیسے تفسیر کیا ہے، سبحان اللہ۔ تو تلاوت کا ایک معنی تو یہ ہے کہ ''اچھی آواز میں قرأت کرنا، خوبصورت آواز میں ''لیکن یہ معنی بھی موجود ہے جس سے بہت سارے لوگ غافل ہیں وہ یہ ہے کہ '' اتباع کرنا بھی ضروری ہے''۔اور یہ قول سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی ہے، مجاہد کا بھی ہے قتادہ اور حسن بصری رحمہم اللہ کا بھی ہے۔

3۔ تیسری مثال کہ نص کو آئمہ کے اقوال سے بھی آگے مقدم کرنا۔ امام کا قول آگیا اور سامنے قرآن مجید یا حدیث آگئی تو امام کے قول کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور نص پر عمل کیا جاتا ہے گویا کہ نص قرآن اور حدیث جو ہے، ہر چیز سے آگے ہے، یہ ایک قاعدہ ہے، اصول ہے۔ اس کی مثال، ایک معروف مسئلہ ہے متعۃ الحج کے تعلق سے، حج متمتع کے تعلق سے۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ منع فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ ''حج افراد کرو وہ بہتر ہے''۔

جب یہ مسئلہ پہنچا سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس، کسی نے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ''آپ ﷺ نے حج متعہ کی اجازت دی ہے بلکہ حکم دیا ہے تو حج تمتع تو جائز ہے''۔ تو سائل نے دوسری مرتبہ کہا ''قَالَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرَ''۔ تو سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ غصے میں آگئے اور فرمایا عنقریب تم لوگ ہلاک ہونے والے ہو، میں تمہیں کہتا ہوں اللہ کے پیارے پیغمبر ﷺ نے فرمایا اور تم لوگ کہتے ہو کہ ابو بکر اور عمر نے فرمایا ہے۔

جس روایت میں آیا ہے کہ ''عنقریب پتھروں کی بارش نازل ہونے والی ہے''۔ یہ لفظ حدیث کی کتابوں میں ایسے محفوظ نہیں ہے یہ بتاؤں میں آپ کو اگرچہ کتاب التوحید میں یہی لفظ ہے اور ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے مجموع فتاویٰ میں بھی یہی لفظ بیان کیا ہے اور ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے الصواعق المرسلۃ میں بھی یہی لفظ بیان کیا ہے اور لیکن حدیث کی کتابوں میں جیسا کہ ابن عبدالبرّ نے جامع بیان العلم وفضلہ میں حدیث نمبر 2377 میں جو لفظ بیان کیا ہے وہ اس سے تھوڑا سا مختلف ہے اس میں لفظ یہ ہے کہ اللہ کی قسم! میں تمہیں اس سے بعض ہوتے ہوئے نہیں دیکھتا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر عذاب نازل ہو، میں تمہیں کہتا ہوں آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر ﷺ نے فرمایا ہے اور تم کہتے ہو ابو بکر اور عمر نے کہا ہے۔ تو اس لفظ سے ہے اگرچہ وہ لفظ بھی دور نہیں پتھروں کی بارش لیکن جو لفظ محفوظ ہے وہ یہ لفظ ہے حدیث کی کتابوں میں۔

دوسرا لفظ جو ہے وہ ''عنقریب تم لوگ ہلاک ہونے والے ہو'' پتھروں کا ذکر اس میں نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

اور یہاں پر یاد رکھیں کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ سے کون افضل ہے امت میں؟ جب ان کا قول حدیث کے سامنے آجاتا ہے، آپ ﷺ کے فعل سامنے آجاتا ہے تو پھر مقدم آپ ﷺ کا فعل ہے، آپ ﷺ کا فرمان ہے اور صحابی کا قول جو ہے وہ پیچھے کیا جاتا ہے۔ میرا ایک سوال ہے یہاں پہ، سوال یہ ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، خلفاء ہیں، راشدین ہیں، مھدیین اور آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ بَعْدِي عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ"۔

اور میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ تقویٰ کے اعتبار سے، علم کے اعتبار سے، فضل کے اعتبار سے ان جیسا کوئی بھی نہیں ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے، ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ﴾ میں سے دونوں ہیں، وہ یہ بھی جانتے تھے کہ آپ ﷺ نے اجازت بھی دی ہے، یہ نہیں کہا کہ حدیث ان کو نہیں آتی تھی، وہ یہ بھی جانتے تھے کہ صحیح ہے، حج تمتع صحیح ہے۔ سوال یہ ہے میرا کہ پھر انہوں نے کیوں ایسا کیا؟ کیا ان کا یہ کرنا درست تھا یا نہیں تھا؟

ایک جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے فرمان کے سامنے کسی کی بات نہیں سنتے، صحابی ہو یا کوئی بھی ہو، غلط کہا ہے تو غلط کہا ہے اور یہ بات درست نہیں ہے۔ اس اعتبار سے کہ آپ نے حدیث کو تو آگے کیا اور حق ہے حدیث کو آگے کرنا لیکن بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم کو آپ نے گرادیا ہے، جیسا کہ وہ صحابی نہیں ہیں، کچھ بھی نہیں ہیں، ان کی کوئی قدر و قیمت ہی نہیں ہے۔ جب ہم بات کرتے ہیں شیخین کی، عام صحابی کی بات کرتے ہوئے ہمیں شرم آنی چاہیے، ادب کے دائرے میں رہنا چاہیے، ہم تو بات کر رہے ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کے بھی سرداروں کی۔ وجہ کیا ہے؟ یاد رکھیں کہ ان کا اجتہاد تھا، نص کے ہوتے ہوئے اجتہاد تھا، یہ نہیں کہ نص نہیں تھا، اجتہاد تھا۔ ہوا یہ کہ لوگوں نے سستی برتنا شروع کر دی۔ بہترین زمانہ ہے یہ وہ کہ ایک ہی سفر میں حج اور عمرہ کرنا شروع کر دیا، تمتع کرنا شروع کر دیا۔ عمرے کے لیے کوئی جاتا نہیں تھا، بہت کم لوگ جاتے تھے، تو انہوں نے یہ دیکھا کہ لوگ سستی اور کاہلی کا شکار ہیں اور لوگ حج تمتع کر کے ایک ہی سفر میں دونوں عبادتیں کر رہے ہیں اس لیے انہوں نے یہ کہا کہ حج افراد کرو تم، یعنی ایک سفر میں حج کرو پھر اور سفر کر کے جاؤ، مدینہ کتنا دور ہے؟ دوسرے سفر میں جا کر عمرہ کرو، ایک ساتھ حج اور عمرہ نہ کرو۔ ایک مسئلہ تھا، ایک وجہ تھی، ان کو سنہ تبع ہے، انہوں نے یہ قول کہا اور پھر جب ان کی وفات ہوئی، معاملہ ختم ہوا، پھر مسئلہ سامنے آیا۔ اب ان کے زمانے میں وہ بہتر جانتے تھے کہ ان کا وقت کیسا تھا اور لوگ کیسے تھے؟ لیکن حدیث اصل ہے، بنیاد ہے، اس پر عمل ہمیشہ رہے

گا اور خلفائے راشدین کو سنہ متبع ہے۔انہوں نے یہاں پر منع کیا، کوئی چیز دیکھ کر منع کیا، ہمیشہ کے لئے منع نہیں کیا انہوں نے، وہ دین کو تبدیل کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ میں یہ بات اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ان سے یہ جو غلطی ہوئی ہے، جو غلطی ہم دیکھ رہے ہیں کہ غلطی ہوئی کیوں ہے؟ان کے پاس ایک وجہ تھی،ایک عذر تھا۔ ہمارے پاس کیا عذر ہے؟ ہمارے پاس تو نہیں ہے، نہ ہی یہ زمانہ خلفائے راشدین کا زمانہ ہے اور نہ ہی وہ بات ہے۔

دوسری مثال آگے ان شاءاللہ بات آئے گی،ایک مثال اور دے دیتا ہوں۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں طلاق کا مسئلہ آیا۔ تین طلاقیں جو ہیں وہ تین سمجھی جائیں گی۔ سنت کیا ہے؟ تین طلاقیں ، ایک ہے۔ تین طلاقیں بدعی طلاقیں ہیں، تین میں سے ایک سنت اور دو بدعی ہیں تو بدعت تو فاسد ہوتی ہے، بدعت مردود ہے لیکن ایک تو باقی رہتی ہے ناں۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب یہ فتویٰ دیا کہ تین طلاقیں، تین سمجھی جائیں گی تو کیا انہوں نے حدیث کے خلاف عمل کیا؟ان کے زمانے میں ہوا کیا؟ کہ لوگوں نے طلاق کے معاملے میں بہت ہی نرمی کا راستہ اختیار کیا ہے اور طلاق کی جو شرح ہے وہ بڑھتی گئی۔ کیسے؟ کہ ہر مسئلے میں تین مرتبہ طلاقیں ہیں، کوئی جھگڑا ہوا، تین مرتبہ طلاق دے دی۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تک یہ خبر پہنچی کہ معاملہ ایسا ہے، سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آج کے بعد جو بھی تین طلاقیں دے گا تو تین ہی ہوں گی۔

پھر تھوڑے سے لوگوں کو سمجھ آئی کہ اب اگر تین طلاقیں تین ہو جائیں گی تو پھر تو بینہ کبریٰ ہو گیا یعنی بیوی حرام ہو گئی۔ پھر انہوں نے تھوڑا سا اس معاملے کو دیکھا ہے اور پھر واپس اس ڈر کے مارے کہ تین طلاقیں، تین ہو جائیں گی تو انہوں نے احتیاط سے کام لینا شروع کیا۔اب سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ حدیث کی مخالفت کی ہے تو ان کا قول مردود ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ان زمانے میں یہ مسئلہ تھا، وہ خلیفہ راشد ہیں، ان کو سننا متبع تھا، انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہے۔امام بن باز رحمۃ اللہ علیہ بڑی پیاری بات فرماتے ہیں، کہتے ہیں کہ ''تین طلاقیں بدعی طلاقیں ہیں''۔

کوئی شک نہیں ہے، اس میں سے ایک طلاق مانی جائے گی لیکن مسئلہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جو کیا ہے وہ کیا ہے؟ کیوں کہ جمہور بتاؤں میں آپ کو۔ چاروں فقہاء سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو لیتے ہیں کہ تین طلاقیں جو ہیں وہ تین طلاقیں گنی جائیں گی چاہے حنفی ہوں، مالکی ہوں، شافعی ہوں یا حنبلی ہوں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء جو بعد میں آئے ہیں، انہوں نے کہا کہ نہیں بدعی طلاق ہے طلاق تین والی ایک سمجھی جائے گی ایک گنی جائے

گی شرطوں کے ساتھ۔ بعض اوقات ایک بھی نہیں ہوتی، اگر حیض کی حالت ہو تو حیض میں بھی بدعی طلاق ہوتی ہے۔ بہر حال تو تین والا مسئلہ جو ہے امام بن باز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "اگر زمانہ ہو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ والا، یعنی طلاق کا مسئلہ ویسا ہو جائے کسی معاشرے میں اور شرح بڑھتی جائے تو انہیں روکنے کے لیے اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قول پر عمل کیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، ورنہ اصل حدیث ہمارے پاس ہے، اصل عمل حدیث پر ہوگا"۔

اگر معاملہ، معاشرہ ویسا ہے جیسا کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تھا اور لوگ طلاق میں، یعنی بد احتیاطی کرتے تھے اگر یہ معاملہ ہے تو پھر عمل ہوگا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قول پہ اور اگر معاملہ ایسا نہیں ہے نارمل معاملہ ہے تب حدیث پر عمل کیا جائے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو چھوڑ دیا جائے گا۔ تو انہوں نے ان دونوں کو تطبیق کرنے کی کوشش کی ہے، بہر حال لیکن سلف کا جو ایک قاعدہ ہے وہ یہ ہے کہ نص سب سے پہلے ہے۔

4۔ چوتھی بات ذاتی چاہت اور خواہش سے بھی نص مقدم ہے۔ ذاتی چاہت اور خواہشات پر نص مقدم ہے، آگے ہے۔ اس میں معروف قصہ ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا کہ ایک شخص نے یہ کہا کہ "یا ابا عبداللہ میں عمرہ کرنا چاہتا ہوں کہاں سے احرام باندھوں؟"۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جہاں سے آپ ﷺ نے احرام باندھا ہے ذوالحلیفہ سے وہاں سے احرام باندھو میقات سے یعنی۔ تو اس شخص نے کہا کہ نہیں میں مسجد نبوی سے ادھر سے احرام باندھنا چاہتا ہوں۔ تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "مجھے خدشہ ہے فتنے کا کہ تم فتنے میں نہ مبتلا ہو جاؤ" أخشى عليك الفتنة" تو اس شخص نے کہا کہ اس میں فتنے کی کیا بات ہے چند میلوں کی تو بات ہے فتنہ کہاں سے آ گیا؟ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ سورۃ النور آیت نمبر 63 کی تلاوت کی۔ سبحان اللہ، بات چند میلوں کی نہیں ہے بات ہے آپ ﷺ کی مخالفت کی۔ جو فعل آپ ﷺ نے کیا آپ کا جو دل کرتا ہے جو آپ کی خواہش ہے وہ اپنی جگہ پہ ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں آپ ﷺ کے قول اور فعل کے سامنے۔ سبحان اللہ۔

تیسرا قاعدہ "تقديم الاهم فالمهم" (سب سے پہلے اہم ہے پھر مہم ہے)۔ جس چیز کی زیادہ اہمیت ہے اس کو آگے کرنا ہے پھر بعد والی کی اہمیت پھر بعد والی کی اہمیت ہے۔ جو سب سے زیادہ اہم ہے اس کو آگے کرنا ہے "تقديم الاهم فالمهم"۔ اس کی دلیل میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾

(النساء/36)۔تو ابتداء کس چیز سے ہوئی؟ توحید عبادت سے، پھر شرک سے آگاہی پھر والدین سے حسن سلوک ہے۔اور اسی طریقے سے آپ ﷺ کا فرمان ہے صحیح بخاری کی روایت میں ''بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ'' دین اسلام کی عمارت قائم کی گئی پانچ چیزوں پر:

1۔کلمہ شہادت ہے۔

2۔نماز ہے۔

3۔زکوٰۃ ہے۔

4۔روزہ ہے۔

5۔حج ہے۔

توسب سے پہلے کیا ہے؟ کلمہ شہادت ہے۔اسی طریقے سے صحیح بخاری کی روایت میں اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر ﷺ نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو بھیجا یمن کی طرف،آپ ﷺ فرماتے ہیں:

''اے معاذ! تم یہ جان لو کہ تم جارہے ہو یمن کی طرف، وہاں پر اہل کتاب موجود ہیں، اہل علم لوگ موجود ہیں اہل کتاب ہیں توسب سے پہلے ان کو دعوت دینا(کس چیز کی؟) کلمہ شہادت کی ''أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدً رَّسُولُ اللهِ''۔

کلمہ توحید سب سے پہلے۔ توجو زیادہ اہم چیز ہے اس کو اس کا حق دینا بعد میں دوسری چیز۔اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ سلف نے بھی اس کا اہتمام کیا ہے۔مثال کے طور پر صحیح بخاری۔ صحیح بخاری ایک معروف کتاب ہے۔سب سے پہلی کتاب کون سی ہے صحیح بخاری میں؟ بدءالوحی پھر کتاب الایمان ہے پھر کتاب العلم ہے۔تو ابتداء وحی سے ''قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ'' سے ہے۔بدءالوحی کیسے ہے، پھر کتاب الایمان ہے پھر کتاب العلم ہے پھر طہارت کے مسائل ہیں پھر کتاب الوضو ہے۔

اور اس کے مخالف میں دیکھیں آپ،اس کی ضد میں اصول کافی رافضیوں کی کتاب ہے۔جانتے ہیں سب سے پہلی کتاب کون سی ہے؟ کتاب العقل، عقل پرست لوگ جو ہیں وہ کتاب الایمان سے باب کا، کتاب کا آغاز نہیں کرتے۔اصول کافی جو رافضیوں کی معروف کتاب ہے جیسا کہ ہماری صحیح بخاری ہے اہل سنت کی، جو روافض ہیں ان کی جو ہے وہ اصول

کافی سمجھی جاتی ہے۔اتنی معتبر کتاب ہے۔سب سے پہلا باب ان کا ہے کتاب العقل۔اور اس میں جو بھی عقیدے کے تعلق سے کتابیں ہیں، جو ہم پڑھ چکے ہیں یا جتنی بھی دوسری کتابیں ہیں اس میں آپ دیکھتے ہیں کہ عقیدے کا اہتمام اور توحید اور ایمان کے مسائل کا اہتمام خاص طور پہ کیا گیا ہے۔

چوتھا جو قاعدہ ہے اس قاعدے کا تعلق قرآن مجید سے ہے کہ محکم آیات پر عمل کرنا ہے اور متشابہ پر ایمان لے کر آنا ہے ، تصدیق کرنی ہے۔ محکم آیات پہ عمل اور متشابہ آیات پر ایمان لے کر آنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :﴿هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ﴾(آل عمران/7)(اللہ تعالیٰ نے جس نے آپ ﷺ پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے قرآن مجید نازل فرمایا ہے اس کتاب میں سے بعض آیات محکم ہیں وہ﴿اُمُّ الْكِتٰبِ﴾ہیں بنیادی آیات ہیں اور دوسری آیات متشابہات ہیں)﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾۔تو﴿اٰمَنَّا بِهٖ﴾سب پر ایمان ہے محکم اور متشابہ پر بھی۔ عمل کس چیز پر کرنا ہے؟ محکم پر اور متشابہ کو محکم کی طرف لوٹا دیتے ہیں لیکن جن لوگوں کے دل میں کوئی خرابی ہے وہ کیا کرتے ہیں؟ وہ متشابہ کو آگے کرتے ہیں اور محکم کو چھوڑ دیتے ہیں۔

تو اس میں آپ دیکھتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا معروف قصہ ہے کہ جس شخص نے کہا﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾(طہ/5)"کیف استوی؟"(الرحمٰن عرش پر مستوی ہے کیسے مستوی ہے؟)۔تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو شدید غصہ آیا فرماتے ہیں"الاستواءُ معلومٌ"(استواء کا معنی معلوم ہے)"والکیف مجھولٌ ، والایمان به واجبٌ ، والسؤال عنه بدعةٌ"(کیفیت تو معروف نہیں مجہول ہے۔اللہ نے یہ تو فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے، یہ تو نہیں فرمایا کہ کیسے مستوی ہے؟اور ایمان لانا واجب ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے اور یہ سوال کرنا بدعت ہے)۔

تو یہاں پر آپ دیکھتے ہیں کہ اس شخص کو کیا مسئلہ تھا؟"کیفیت"، متشابہ میں سے ہے۔ ہمیں کیا پتہ کیفیت کیا ہے ؟لیکن معنی، معنی محکم ہے۔ہم کسی صفت کی کیفیت یا حقیقت نہیں جانتے وہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے لیکن معنی نہیں جانتے کیا؟ تو معنی محکم ہے۔جتنے بھی اسماء وصفات ہیں یاد رکھیں لیکن کیفیت اور کن اور حقیقت ان اسماء والصفات کی

اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے دونوں میں فرق سمجھ لیں آپ، مفوضہ کہتے ہیں معنی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔اہل سنت والجماعت کہتے ہیں معنی معلوم ہے، عربی زبان میں تو ہے، معلوم ہے معنی لیکن کیفیت کیسی ہے؟ واللہ اعلم۔دونوں میں فرق اچھی طرح سمجھ لیں۔ معنی معروف ہے، کیفیت مجہول ہے۔

دوسرے علوم جو ہیں آپ یاد رکھیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں یہ جو قاعدے تھے یہ کوئی لکھے ہوئے قاعدے نہیں تھے کسی کتاب میں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کیوں کہ براہ راست علم لیتے تھے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر ﷺ سے تو ان کو ضرورت نہیں محسوس ہوتی تھی کہ وہ کچھ لکھیں کیوں کہ وہ براہ راست آپ ﷺ سے سیکھ رہے ہیں۔ جو بھی قرآن مجید کی تفسیر ہے، آپ ﷺ فعلاً، عملاً کر کے دکھا رہے ہیں، جو بھی حدیث آپ ﷺ کی ہے آپ ﷺ کہہ رہے ہیں کہ خود صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حصہ تھے قرآن مجید کا اور صحیح حدیث کا۔ تو وہ آپ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے، آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حصہ تھے تو براہ راست علم حاصل کیا اور معنی کو بھی لے لیا تو ان کو ان کتابوں کی جو بعد میں تصنیف ہوئیں ہیں، اگرچہ یہ بھی بہترین زمانے میں تصنیف ہونا شروع ہوئی ہیں تاکہ علم محفوظ ہو جائے اور اہل بدعت بھی آنا شروع ہوئے تو چند اہم جو قواعد و ضوابط ہیں پھر ان کا اہتمام کیا گیا۔ مثال کے طور پہ احادیث کا اہتمام کرنا، روایتاً و درایتاً حدیث کے صحیح معنی کو جاننا اور اس کے ساتھ ساتھ سند کے تعلق سے بھی جاننا کہ صحیح ہے یا نہیں ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں اس کی ضرورت نہیں تھی، براہ راست سنتے تھے آپ ﷺ سے، بیچ میں کوئی واسطہ بھی نہیں تھا۔ اب کوئی راوی ہے، نہیں ہے، کون ہے، کیسا ہے؟ سب ثقات تھے، سب عدول تھے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تو اس علم کی ضرورت نہیں تھی ان کو لیکن بعد میں جیسے جیسے زمانہ دور ہوتا گیا تو پھر آئمہ سلف نے، امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ، صحیح مسلم کے مقدمے میں، حدیث نمبر 84 میں، امام ابن سیرین رحمہ اللہ کہ: ''وہ لوگ (یعنی سلف جو ہیں) وہ اسناد کے تعلق سے سوال نہیں کرتے تھے کہ سند کیا ہے حدیث کی؟ جو بھی کہتا تھا ''قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ'' لے لیتے تھے۔ ''فَلَمَّا وَقَعَتِ الْفِتْنَةُ'' جب فتنے ظاہر ہوئے اور فتنوں کی ابتداء ہوئی ''قَالُوا: سَمُّوا لَنَا رِجَالَكُمْ'' تب سلف نے یہ کہنا شروع کیا کہ ''اب بتاؤ تمہارے راوی کون ہیں جو یہ روایت پیش کر رہے ہیں؟''۔ پس یہ دیکھا جاتا اگر کوئی شخص اہل سنت میں سے ہے ''فَيُنْظَرُ إِلَى أَهْلِ السُّنَّةِ فَيُؤْخَذُ حَدِيثُهُمْ''۔

امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سن 110 ہجری میں ہوئی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اہل سنت کا لفظ آپ لوگوں نے ایجاد کیا ہے؟ آپ کہو مسلمان ہیں بس، سنی نہ کہو اپنے آپ کو، اہل سنت نہ کہو، امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سن 110 ہجری میں ہوئی وہ یہ فرماتے ہیں کہ ''ہم یہ دیکھتے کہ اگر کوئی شخص اہل سنت میں سے ہوتا تو ہم اس کی حدیث لے لیتے اور اہل بدعت میں سے ہوتا تو ہم اس کی حدیث چھوڑ دیتے''۔

تو یہ تمیز سلف کے زمانے سے ہی اس کی ابتداء ہوئی کہ اہل سنت اور اہل بدعت ہیں اور دوسری میں صحیح مسلم کے مقدمے میں امام سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول ہے کہ ''یہ علم دین ہے بس دیکھو کہ اپنا دین کس سے لے رہے ہو تم؟''۔ ہر ایرے غیرے سے دین کا علم نہیں لیا جاتا جو لوگ سیدھے ہیں، حق پر قائم ہیں، منہج سلف پر قائم ہیں، سلف الصالحین، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے سے لے کر آج کے زمانے تک اسی راستے پر قائم ہیں، یہ وہ لوگ ہیں علماء، علمائے حق، علمائے ربانیین، جن سے علم حاصل کرنا چاہئے۔ جو ان کے علاوہ علماء ہیں وہ دو قسم کے ہیں، ایک تو ان کے بالکل مخالف ہیں ان سے تو بالکل علم نہیں لینا ہے۔ دوسرے وہ ہیں جو بیچ میں ہیں ان کی بات بھی کرتے ہیں ان کی بات بھی کرتے ہیں ﴿لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ﴾ (النساء: 143)۔ یہ لوگ اُن میں سے ہیں اِن میں سے نہیں ہیں سلف میں سے نہیں ہیں کیوں کہ ان کا منہج بالکل واضح ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ حق و باطل کو خلط ملط کر دیں جیسا کہ میں نے پچھلے درس میں بیان کیا ہے تفصیل سے۔ اب مثال کے طور پر دیکھیں آپ، صحاح ستہ کو دیکھ لیں آپ، صحاح ستہ میں صحیح بخار کو لے لیں آپ جو تبویب ہوئی ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تبویب بھی فہم ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی۔ تو صحیح بخاری حدیث کی کتاب ہے اگر فہم سلف کو نکال دیں آپ تو حدیث باقی نہیں بچتی۔ پہلے کتاب ہے پھر تبویب ہے باب، پھر باب کے اندر نصوص ہیں جو انہوں نے کہا ہے، باب جو باندھا ہے، اس کی دلیل پھر بیان کی ہے قرآن و سنت سے اور یہ اہتمام جو ہے علم الروایۃ کا ہے کہ اس کا معنی کیا ہے۔ یہ نہیں کہ صرف سند کو دیکھ لیا اور صحیح بخاری لکھ دی معنی نہیں جانتے تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ امام بخاری کی فقہ نہیں ہے، وہ فقیہ نہیں تھے، سمجھ نہیں تھی، فقہاء تو امام ابو حنیفہ یا دیگر علماء تھے جو ان کے شاگرد تھے، محدثین تو فقیہ تھے ہی نہیں اور یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ حماقت ہے اگر کوئی شخص ایسی بات کرتا ہے تو۔ امام بخاری کی فقہ ان کی تبویب میں موجود ہے اور بہترین طریقے سے انہوں نے تبویب کی ہے اور بہت خوبصورت انداز سے دلائل کو پیش کیا ہے تو سند کے اعتبار سے بھی صحیح بخاری مقدم

ہے اور متن اور فہم کے اعتبار سے بھی ماشاءاللہ مقدم ہے اور آج بھی دیکھیں کہ قرآن مجید کے بعد اگر مسلمانوں کی کوئی معتبر کتاب ہے تو وہ ہے صحیح بخاری۔

علم الحدیث کے اصول رکھے گئے ہیں ۔ مصطلح الحدیث کے آپ دیکھتے ہیں کہ ابھی بھی اصول موجود ہیں Terminology of Hadith کے نام سے اسماءالرجال کی کتاب ہے۔اچھااب سند تو دیکھ لی ہے اب سند میں کون سے لوگ ہیں؟ کون سے رجال ہیں؟اس کے لیے خاص لوگ نے اپنی زندگی صرف کر دی ہے اور یہ اصول بنائے ہیں ۔کس لیے اصول ہیں اپنا نام کمانے کے لیے یا اس دین کی حفاظت کے لیے؟اس دین کو محفوظ کرنے کے لیے یہ اصول بنے ہیں تو ان کی فہم جو ہے وہ قائم ہے ان اصولوں پر۔یہ نہیں کہ کوئی شخص آکر کہہ دے کہ فلاں ضعیف ہے بغیر کسی وجہ کے، یا جرح کر دے کسی کی بھی، نہیں جرح و تعدیل کے بھی قاعدے ہیں، مثال کے طور پر ایک عالم کہتا ہے کہ فلاں راوی کا حافظہ کمزور ہے یا فلاں راوی ضعیف ہے۔ ٹھیک ہے۔ایک کہتا ہے کہ نہیں ثقہ ہے اب جرح و تعدیل ٹکرا گئی،ایک ہی شخص ہے،ایک جرح کر رہا ہے اور ایک اس کی تعدیل کر رہا ہے تو کوئی قاعدہ قانون ہے یا بس دونوں کے مانی جائے گی،دونوں کو کیسے مانیں بھئی؟راوی تو ایک ہی ہے۔اس کے قواعد ہیں کہ جس کا قول مفسر ہے،اس کے قول کو لیا جائے گا اگر جرح مفسر ہے تو اس کے قول کو لیا جائے گا اور اگر تعدیل مفسر ہے یعنی وجہ بھی بیان کی ہے تو اس کے قول کو لیا جائے گا یہ نہیں ہے کہ اندھا دھند بغیر کسی قاعدے کے کوئی بھی شخص بات کرتا ہے سلف میں سے، نہیں ۔قواعد ہیں، ضوابط ہیں،اصول ہیں اس کے مطابق بات کرتے ہیں، جرح و تعدیل کے بھی اصول ہیں، یہاں تک کہ تعارض کے بھی اصول ہیں،ایسی بات کوئی بھی نہیں ہے کہ ہر کوئی اپنی مرضی کرتا رہے۔مثال کے طور پہ ایک عالم کہتا ہے، محدثین میں سے جو جرح و تعدیل کے ماہرین ہیں کہ فلاں راوی ضعیف ہے۔کیوں؟اس کو میں نے شراب پیتے ہوئے دیکھا ہے۔ جرح ہو گئی۔اب جو کہتا ہے یہ راوی،اب ثقہ ہے،عدل ہو چکا ہے، ثقہ ہے اس کو اب کہنا چاہیے اس کے ساتھ کہ عدل ہے کہ وہ یہ کہے کہ اس نے شراب سے توبہ کی، میں نے اس کو دیکھا ہے۔پہلے جرح مفسر تھی، یہ نہیں کہ ضعیف تھی،اس لیے کہ یہ شراب پیتا تھا، یہ شرابی تھا،وہ کہتا ہے کہ پہلے شرابی تھا اب شرابی نہیں ہے اور میں اس کی گواہی دیتا ہوں اب وہ جرح مفسر تھی یہ تعدیل مفسر ہے اور تعدیل مفسر غالب آتی ہے جرح مفسر پر اس اعتبار سے کیوں کہ ''عندہ زیادۃ علم'' کہتے ہیں اس کے پاس زیادہ علم ہے جو اس کے پاس نہیں ہے۔

دوسرے نمبر پر نصوص شرعیہ کی فہم کے لیے خاص اصول وضوابط، معروف اصول وضوابط بیان کیے گئے ہیں جسے کہتے ہیں اصول الفقہ۔ اصول الفقہ وہ علم ہے جیسے اس کا نام ہے جس کا تعلق عملی مسائل پر ہے۔ عام طور پر عملی مسائل جو ہیں فقہ کے مسائل اور ان مسائل کو سمجھنا کیسے؟ جو عبادات کے مسائل ہیں، معاملات کے مسائل ہیں، ان کو سمجھیں کیسے؟ ان کے خاص اصول ہیں۔ اب مثال کے طور پر عام نص ہے تو بنیادی طور پر عام نص پہ عمل کیا جاتا ہے جب تک کہ کوئی خاص نص دوسرا نہ آئے جو اس عام کو خاص کر دے۔ عام ہے، خاص ہے تو خاص مقدم ہے عام پر۔ خاص نہیں ہے تو پھر عام پر عمل کیا جائے گا۔ مطلق ہے، مقید ہے۔ مثال کے طور پہ مطلق کی بات کرتے ہیں۔ جب چور کے ہاتھ کاٹنے کے سزا کا ذکر ہے قرآن مجید میں کہ چور کے ہاتھ کاٹ دو، دایاں ہاتھ ہتھیلی کے اس جوڑ سے کاٹ دو۔ قرآن مجید میں ہے ید کا لفظ ید ہے اب کہاں سے کاٹیں ہاتھ؟ مطلق لفظ ہے ید ﴿فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا﴾۔ حدیث میں آپ ﷺ کے عمل سے یہ قید لگ گئی ہے کہ ہاتھ کو کاٹنا ہے ہتھیلی سے۔ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کا جو جوڑ ہے یہاں سے ہاتھ کاٹنا ہے۔ آیت میں مطلق ہے ہاتھ آپ کہنی سے کاٹیں کندھے سے کاٹیں ہاتھ کہا ہے ید کہا جاتا ہے نا عربی میں ہاتھ ہی ہے ناٹوٹل لیکن جب حدیث میں ہمیں یہ آپ ﷺ کا عمل ملا ہے کہ ہاتھ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کے جوڑ سے کاٹنا ہے اب اس مطلق پر عمل نہیں کیا جائے گا، اس مقید پر عمل کیا جائے گا اور چور کا ہاتھ چوری ثابت کرنے کے بعد اور چوری ثابت کرنے کے لیے آٹھ شرطیں ہیں، یہ نہیں کہ چوری کی اور فوراً ہاتھ کاٹ دیئے، چور کا ہاتھ کاٹنے کے لیے آٹھ شرطیں ہوں گی پھر ہاتھ کاٹا جائے گا ان شرطوں کے مطابق، بہر حال۔

یہ شروط کہاں سے آئیں؟ اور پھر ہاتھ کہاں سے کاٹنا ہے؟ بایاں ہاتھ یا دایاں ہاتھ پھر کہاں سے؟

یہ ساری چیزیں جو ہیں اب مطلق ہیں مقید ہیں، مقید کو مطلق پر مقدم کیا، یہ اصول ہے، اصولوں کی بنیاد پر، یہ نہیں کہ کوئی شخص اپنی مرضی سے کہتا ہے کہ کندھے سے کاٹو، کوئی کہتا ہے کہ نہیں انگلیاں کاٹ دو، کوئی کہتا ہے کہ کہنی سے کاٹ دو، یہ اختلاف دیکھا ہے آپ نے؟ نہیں۔ جس کو نص نہیں ملا جس کو پتہ ہی نہیں ہے حدیث کا اور آیت ہے اس کے پاس بس وہ کیا کرے گا؟ وہ بایاں ہاتھ بھی کاٹ سکتا ہے وہ کندھے سے بھی کاٹ سکتا ہے کیوں کہ اسے پتہ ہی نہیں ہے قرآن میں ید کا ذکر ہے نا۔ تو یہ قاعدہ ہمیں اصول فقہ میں ملتا ہے۔

اسی طریقے سے اگر تعارض ہو جائے نصوص کا، ویسے اللہ تعالیٰ کے فرمان، اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر ﷺ کے فرمان میں کوئی تعارض، کوئی ٹکراؤ نہیں ہے اگر ظاہراً کسی چیز میں بھی ٹکراؤ سامنے آجائے تب کیا کرنا ہے؟ کیا اس کے کوئی اصول ہیں کہ نہیں؟ سب سے پہلے جمع کرنے کی کوشش کرنی ہے "الجمع بینھما" اگر جمع ہو جائیں تو بس بات ختم اگر جمع نہیں ہو سکتے تو پھر تاریخ دیکھیں کہ تاریخ کا پتہ ہے اگر تاریخ کا پتہ ہے تو دوسرا جو ہے وہ ناسخ ہے اور پہلا منسوخ ہے۔ جس کی تاریخ بعد کی ہے وہ ناسخ ہے اور پہلا منسوخ ہے یعنی اس پر عمل نہیں ہو گا اگر تاریخ کا پتہ بھی نہیں ہے پھر مرجحات کو دیکھا جاتا ہے جیسے کہ میں نے کہا کہ مطلق ہے، مقید ہے ان چیزوں کو اور ستر کے قریب مرجحات ہیں ایک نہیں ہے ۔یہ ہمیں کہاں سے ملتا ہے؟ یہ فقہ کے اصول ہیں، ضوابط ہیں، فہم سلف کے بنیادی علم میں یہ نصوص موجود ہیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سلف نے خاص اصولوں کے مطابق قرآن و سنت کو سمجھا ہے اور سب سے پہلے جو اصول فقہ کے تعلق سے کچھ لکھا ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے۔ وفات کب ہوئی؟ 204 ہجری میں۔

چوتھے نمبر پر قرآن مجید سمجھنے کے خاص اصول و ضوابط، جسے کہتے ہیں اصول التفسیر اس کا اہتمام کیا گیا ہے۔ میں نے بتایا ہے میں عرض کر چکا ہوں اور محکم اور متشابہ کی مثال بھی دے چکا ہوں میں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں لکھا ہوا نہیں تھا لیکن جیسے جیسے لوگ اسلام میں داخل ہوتے گئے، اہل بدعت بھی ان کو بھی تقویت ملتی گئی تو پھر اس علم کو محفوظ کرنے کے لیے کتابی شکل بھی اختیار کرتے گئے اور خاص اصول و ضوابط کے نام سے یہ چیزیں آج بھی موجود ہیں کہ سمجھنا ہے، قرآن مجید کو کیسے سمجھنا ہے؟ سب سے اچھی تفسیر قرآن مجید کی، قرآن مجید سے ہے۔ یہ کس نے کہا ہے؟ سلف نے کہا ہے۔ کہاں سے کہا ہے؟ اصول ہیں۔ سب سے پہلے قرآن، پھر حدیث، پھر صحابی کا قول پھر بعد میں یہ ترتیب ہمیں کہاں سے ملی ہے کیوں کہا ہے کس نے کہا ہے؟ تو گویا کہ فہم سلف جو قائم ہے وہ اصول و ضوابط پر ہے۔

آپ دیکھتے ہیں مثال کے طور پر ابن جریر طبری کو دیکھ لیں آپ التفسیر بالأثر ہے، سب سے پہلی تفسیر جو معروف اور مشہور ہوئی۔ سن 310 ہجری میں وفات ہوئی امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کی۔ ان کی تفسیر کیا ہے؟ قرآن کی قرآن سے ہے، قرآن کی حدیث سے۔ یا سلف کے اقوال ہیں۔ تو وہ کیا ہمیں بتا رہے ہیں؟ اگرچہ لکھا نہیں قاعدہ اگرچہ ان کے مقدمے میں بعض قواعد بھی موجود ہیں بہت پیارے اور خوبصورت قواعد ہیں لیکن یہاں پہ ہمیں وہ یہ پیغام دے رہے ہیں کہ قرآن مجید کی تفسیر کرنی ہے تو ایسے کرنی ہے، یہ طریقہ ہے، حدیث ہو اور اگر حدیث نہیں ہے تو سلف کے

اقوال، جن کے زمانے میں یہ قرآن نازل ہوا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پھر انہوں نے اپنے شاگردوں کو براہ راست علم دیا، انہیں علم پہنچایا ہے تو یہاں پر ان کے اقوال دوسروں پر مقدم ہیں۔

اسی طریقے سے چوتھے نمبر پر عربی زبان کا اہتمام اس کے بھی خاص اصول و ضوابط ہیں۔ عربی زبان سلف یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے اور پہلے تین بہترین زمانوں کے لیے مشکل نہیں تھی، عربی زبان تو ان کی اپنی زبان تھی، اس کے لیے انہیں نہ تو گرامر پڑھنے کی ضرورت تھی، نہ اس کے لیے وہ وقت ضائع کرتے تھے۔ ان کی اپنی زبان تھی، ایک ایک لفظ سمجھتے تھے وہ اور فوراً سننے کے بعد اس پر عمل کرتے تھے لیکن جب عجم آنا شروع ہوئے اور بہت سارے مسئلے ہوئے، قرأت میں بھی اختلاف شروع ہوا، وہ لوگ سمجھتے بھی نہیں تھے صحیح طریقے سے تو پھر عربی گرامر کے اصول اور ضوابط کا اہتمام کیا گیا اور جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ آغاز ہوا اور ابوالاسود الدؤلی رحمہ اللہ اسی زمانے میں جنہوں نے قرآن مجید کے اعراب لکھے ہیں۔ قرآن مجید جانتے ہیں بغیر اعراب کے تھا نقطے بھی نہیں تھے اعراب بھی نہیں تھے۔ جو نسخے لکھے گئے تھے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان پر کوئی اعراب کوئی نقطہ نہیں تھا، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی اسی طریقے سے کوئی اعراب نہیں تھا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں پھر اعراب شروع ہوئے کیوں کہ عجم پڑھتے تھے اور کہیں سے کوئی غلطی نہ آجائے اس لیے پھر اعراب لگانا شروع کیا۔ یہ اعراب جو لگائے ہیں یہ قرآن مجید کو جمع کیا ہے۔ یہ فہم سلف نہیں ہے؟ یا ایسے ہی ہے بس، کسی نے مرضی سے یوں کر دیا؟ تو فہم سلف ہے پھر اجماع بھی ہوا ہے تو اجماع دلیل ہے اور اس پر کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ موجودہ قرآن (نعوذ باللہ) بدعت ہے۔ کہاں ہے قرآن میں؟ کہاں ہے حدیث میں؟ اس زمانے میں کتاب تو تھی ہی نہیں۔ یہ کتابی شکل جو آج موجود ہے اس کی دلیل کیا ہے؟ جانتے ہیں کیا دلیل ہے کیا ہے؟ ''الاجماع'' اور اجماع کس چیز پر قائم ہے؟ فہم سلف پر قائم ہے۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پہلے تو انکار کیا اور مشورہ کیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جب اجماع ہوا اور یہ دیکھا کہ قراء مر رہے ہیں جو حافظ ہیں اور پھر قرآن مجید کی حفاظت کیسے کریں ہم؟ سینے میں ہے تو لوگ تو لوگ تو مر رہے ہیں تو پھر انہوں نے جب اجماع ہوا سیدنا ابو بکر صدیق رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اس عمل پہ تو آج کوئی شخص یہ نہیں جرأت کر سکتا اور یہ نہیں کہہ سکتا کہ قرآن مجید کی یہ موجودہ صورت جو کتابی شکل میں ہے یہ بدعت ہے کیوں کہ قرآن مجید میں یا حدیث میں اس کی دلیل نہیں ہے۔ قرآن مجید میں اشارات ہیں۔ میں پہلے بھی بتا

چکا ہوں کہ سلف کا جو فہم ہے اس کی بنیاد قرآن اور حدیث ہے۔ کہاں سے لیا سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یا صحابہ نے؟ ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ﴾(البقرۃ/2)قرآن مجید میں ہے کتاب کا ذکر آیا ہے۔ جب ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ﴾ آیت نازل ہوئی سورۃ البقرۃ کی پہلی آیات میں تو کتاب موجود تھی۔

اچھا "ھذا الکتٰب" یا ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ﴾؟ ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ﴾ ابھی موجود نہیں ہے عنقریب ہونے والی ہے یہ کتاب آئے گی عنقریب اور آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی شخص کافر ملک میں جائے تو مصحف ساتھ نہ لے کر جائے۔

مصحف کسے کہتے ہیں؟ کتابی شکل کو، قرآن کی کتابی شکل۔ اس وقت تھی؟ گویا کہ یہ اشارات تھے کہ ایسا عنقریب ہو گا اور واقعی سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اور باقی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان نصوص کو سامنے رکھ کر ہی فیصلہ کیا ہے کہ قرآن مجید کی کتابی شکل ہونی چاہیے لیکن اعراب تو نہیں تھے پھر نقطے لگائے گئے پھر اعراب بھی ہوئے اور اس پر بھی اجماع ہوا تو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک اجماع ہوا پھر دوبارہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں صرف ایک نسخہ رکھا اور باقی سب ختم کر دیئے جس میں کچھ اختلاف تھا اس پر اجماع ہوا پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اعراب لگے اس پر اجماع ہے۔ تو گویا کہ قرآن کی جو موجودہ صورت ہے ہمارے ہاتھوں میں جو ہم صبح شام پڑھتے ہیں اس کے وجود کی دلیل اس شکل میں سلف کی فہم ہے اور اجماع ہی ہے۔

وہ یہ کہتے ہیں کہ حجاج بن یوسف کے زمانے میں ہوا تھا لیکن صحیح قول یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانے سے اس کی ابتداء ہوئی اور ابوالاسود الدؤلی رحمہ اللہ نے بعد میں آکر یہ کیا ہے لیکن اس کی ابتداء صحیح قراءت کی اس زمانے سے شروع ہو گئی تھی اور ابوالاسود الدؤلی رحمہ اللہ نے یہ اعراب لگائے اگرچہ یہ حجاج بن یوسف نے کیا ہے یہ کہا جاتا ہے لیکن جو صحیح قول ہے وہ ابوالاسود الدؤلی رحمہ اللہ کے تعلق سے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے یہ کیا ہے۔

تو یہ چند، بعض قواعد تھے فہم سلف کے تعلق سے۔ طالب علم کو یہ جان لینا چاہیے کہ جب فہم سلف کی بات کرتے ہیں یا سلف الصالحین کی بات کرتے ہیں اور ان کے فہم کی بات بھی کرتے ہیں تو ہمیں یہ بھی ساتھ جاننا چاہیے کہ ان کی فہم جو ہے وہ خاص اصول وضوابط پر قائم ہے، یہ اصول وضوابط قرآن اور سنت سے لیے گئے ہیں، ان کہ اپنی خواہشات نفسانی یا اپنی جیب سے نکلی ہوئی یہ فہم نہیں ہے۔ یہ خاص اصول وضوابط کی بنیاد پر قائم ہے اور میں نے چند کا یہاں پر ذکر کیا ہے

اگر یہاں پر تفصیل مزید کسی نے دیکھنی ہے تو یہ جو اصول فقہ کی کتابیں ہیں یا اصول تفسیر ہیں یا مصطلح الحدیث یا اسماء الرجال کی کتابیں ہیں یا عربی گرامر کی جو کتابیں ہیں یہ جتنی بھی چیزیں ہیں، یہ جو اہتمام ہوا ہے جو آج بھی ہو رہا ہے یہ اس کا ثبوت ہے کہ فہم سلف ان بنیادوں پر قائم تھا۔

ان شاء اللہ اگلے ہفتے میں ہم دیکھیں گے کہ جب فہم سلف کی ہم بات کرتے ہیں تو فہم سلف کی کیا خصوصیت ہے، کیا خاصیت ہے؟ کوئی خاصیت ہے بھی یا نہیں؟ یا بس ایسے ہی ہم سلف کا نام لے کر کہتے ہیں، ان کی بات ان کے فہم کو ماننا۔ تو فہم سلف کی خاصیت کے تعلق سے اور ان کی چند اہم صفات کے تعلق سے ان شاء اللہ اگلے درس میں ہم بیان کریں گے اور ان شاء اللہ پھر اس کے بعد والے درس میں ہم بات کریں گے جو "فہم سلف حجت ہے" اس کے دلائل کا آغاز کریں گے ان شاء اللہ بعد میں۔ ایک چیز اور رہ گئی ہے فہم سلف کے تعلق سے کہ اس کی خاصیت کیا ہے؟ ہم یہ کیوں جاننے کی کوشش کر رہے ہیں؟ کیا ان کی کوئی اہمیت ہے یا نہیں؟

اگرچہ اہمیت پہلے درس میں، میں صرف اشارہ دے چکا تھا جب تاریخی پس منظر کی بات کی ہے لیکن اب یہ لوگ جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین اور تبع التابعین تھے، بہترین جو تین زمانے تھے، خیر القرون جو تھے خاص طور پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ کیسے لوگ تھے؟ ان کے فہم کی کیا خاصیت ہے دوسروں پر اور کیا فوقیت ہے، ہے یا نہیں ہے؟ ان شاء اللہ اگلے درس میں دلائل کے ساتھ بیان کریں گے۔ اللہ اعلم۔

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لا إِلهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ

یہ رسالہ ڈاکٹر مرتضی بن بخش (حفظہ اللہ) کے آڈیو درس (04: فہم سلف کی شرعی حیثیت) سے لیا گیا ہے۔ سبق لسانی اور تعبیر کی غلطی کو درست نہیں کیا گیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی اور غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ کریں اور اس خیر کے کام میں شامل ہو جائیں۔